۱۰ و

عثمانیہ بلدی جماعت کی پہلی خواتین کانفرنس

خطبۂ صدارت

محترمہ بیگم صاحبہ نواب زین یار جنگ بی۔ اے (آنرز) کنٹب

ریڈر تاریخ کلیۂ اناث جامعہ عثمانیہ

(منعقدہ)

۱۵ ار اسفندار ۱۳۵۰ ف

بمقام باغ عامہ حیدرآباد دکن

مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹرز

معزز بہنو!

ہم نواب مہدی نواز جنگ بہادر اور عثمانیہ بلدی جماعت کی ممنون ہیں کہ اُنہوں نے حیدرآباد کی خواتین کو بلدی ضروریات کے متعلق اپنے خیالات کے اظہار کا موقع دیا۔

شخصی طور سے میں ان کی نہایت مشکور ہوں کہ مجھے اس کانفرنس کی صدارت سے عزت بخشی گئی۔ اگرچہ کہ میں یہ اچھی طرح جانتی ہوں کہ اس فرض کو میری دوسری بہنیں مجھ سے بدرجہا بہتر انجام دے سکتی ہیں۔ اپنی جملہ کمزوریوں کو پیش نظر رکھتے ہوے اس خطبے میں میں کوشش کرونگی کہ ان چند ضروری مسئلوں پر روشنی ڈالوں جن کا تعلق راست خواتین سے ہے۔

دنیا کی تاریخ شاہد ہے کہ انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں جب کوئی بنیادی تغیر ہوا تو عورت نے اوس میں نمایاں حصہ لیا۔ تمثیلاً دکن میں سلطان عبداللہ قطب شاہ کی والدہ اور سلطانہ چاند بی بی۔ اودہ میں بہو بیگم صاحبہ والدہ نواب آصف الدولہ وسط ہند میں اہلیہ بائی۔ بنگال میں راجہ رام موہن رائے اور کیشب چندر کی بیویاں وہ ہستیاں ہیں جن کو بھلایا نہیں جاسکتا۔ اس طرح انگلستان میں ملکہ الزبتھ

کی دیوی فلورنس نائٹ انگیل کا نام ہمیشہ عورتوں کے کارناموں کے تحت باقی رہیگا۔ آج بھی اس پر آشوب زمانۂ جنگ میں انگلستان کی عورتیں حکومت کے ہر شعبے میں اپنی قابلیت عزم اور ہمت کا جو ثبوت دے رہی ہیں۔ ہمارے صنف کے لئے باعث فخر و مباہات ہے۔

بلدیہ بھی ایک ایسا ادارہ ہے کہ جس میں اتحاد عمل کے ساتھ خلق کی خدمت گزاری کے زریں مواقع حاصل ہو سکتے ہیں اور اس خدمتگزاری خلق کے کئی شعبے ہیں جو بغیر عورت کے حصے لئے ہوئے صحیح معنوں میں پائے تکمیل کو نہیں پہونچ سکتے مختصراً میں ان چند امور کے جانب اپنی بہنوں کی توجہ منعطف کراونگی جن پر میں نے اکثر غور کیا ہے اور جو اوقات فرصت میں میری گفتگو کا موضوع رہے ہیں

ہندوستانی گھروں میں حفظان صحت کا معیار بمقابل دیگر ممالک کے بہت ہی پست ہے اس کی وجہ یہ نہیں کہ ہم نے ابھی یورپ کی نقالی کما حقہٗ نہیں کی ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ہم نے اپنے پرانے اصولوں کو بھی بھلا دیا ہے اور یورپ کی اچھی باتوں کو اخذ کرنے کی ہم میں نہ تو پوری طرح قابلیت ہی پیدا ہوی ہے اور نہ صحیح معنوں میں عمل کرنا جانتے ہیں۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے میری یہ تجویز ہے کہ بلدیہ کے تحت نرس ٹرینگ کالج کے قیام پر فوراً توجہ کی جائے۔ جس میں گھر کی شریف زادیاں حفظان صحت اور مریض کی دیکھ بھال کی مکمل طور پر تعلیم پا سکیں۔ تاکہ نہ فقط ہر گھر اپنی ضرورت میں بیرونی امداد سے بے نیاز رہے۔ بلکہ وقت ضرورت یہ سکھ کی دیویاں ملک اور قوم کی خدمت بھی انجام دے سکیں۔ میری اس تجویز کی ضرورت کو وہ لوگ اچھی طرح محسوس کر سکیں گے۔ جنہوں نے کسی وبائی بیماری کے موقع پر مجبور اور بے بہرہ عورتوں کی پریشانیوں کا مشاہدہ کیا ہو یا کسی خاص وقت

پر بجائے صحیح طریقہ علاج کے جھاڑ پھونک تعویذ اور گنڈے کے توہمات میں کسی عزیز جان کو کھو کر انھیں روتے پیٹتے دیکھا ہو۔ یہ قومی ضرورت ہے جس کی تکمیل بلدیہ کا فرض ہے۔

اسی ضمن میں میری ایک اور تجویز ہے وہ یہ ہے کہ عثمانیہ بلدی جماعت کی کوشش سے تعلیم یافتہ عورتوں کی سمت واری مختصر سی جماعتیں قایم کی جائیں جو مہینے میں ایک بار یا اس سے زیادہ اپنے سمت کے مکانوں کا دورہ کریں اور اصول صحت اور صفائی کے متعلق گھر والیوں کو مشورہ دیں۔ میں ان تمام دقتوں کو جو اس راہ میں حائل ہیں پوری طرح محسوس کر رہی ہوں۔ مگر میرا خیال ہے کہ :-

بہر کارے کہ ہمت بستہ گردد
اگر خارے بود گلدستہ گردد

اتحاد عمل اور ہمدردی کے صحیح جذبات جملہ شکوک اور مشکلات پر غالب آسکتے ہیں۔ اور اس طرف توجہ اور دلچسپی دلانے کے خاطر اگر بلدیہ کے جانب سے سالانہ انعامات مقرر کئے جائیں اور ایک کمیٹی کو گھروں کی صفائی کی جانچ کے لئے مقررہ قواعد کے تحت حکم بنایا جائے تو یقینی نتائج حسب دلخواہ برآمد ہوں گے۔ ایک صاف اور ستھرا گھر صحت مند بچوں کا ضامن ہو گا اور تندرست بچے قوم اور ملک کے لئے باعث صد افتخار ہونگے۔

صحت کے بعد سب سے بڑی نعمت تعلیم ہے۔ گزشتہ پچیس سال میں ہمارے ملک نے تعلیم میں فقید المثال ترقی کی ہے۔ وزیر تعلیم

اردو ہو جانے کی وجہ سے تعلیم یافتہ مرد اور عورتوں کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا۔ پچیس سال قبل ہمارے پاس صرف دو کالج ۱۹ مدارس فوقانیہ ۸۷ مدارس وسطانیہ ۱۱۲۳ مدارس تحتانیہ تھے۔ اور اب ۱۴ کالج ۶۳ مدارس فوقانیہ۔ ۱۴۱ مدارس وسطانیہ۔ اور ۴۹۳۹ مدارس تحتانیہ ہیں۔ اسی طرح طلباء کی تعداد ۱۳۲۵ف میں ۸۲۷۵۶ ذکور ۱۸۳۱۶ اناث تھیں اور اب ذکور ۲۴۴۵۵۰ ، ۳۱۵۰۱ اناث ۸۰۸۴۳ تک پہونچ گئی ہے۔ یہ سب دور عثمانیہ کا ایک درخشاں کارنامہ ہے۔ جس اصول پر ہمارا محکمہ تعلیمات اب کام کر رہا ہے اس سے ہمیں قوی امید ہے کہ جہالت پر بہت جلد قابو پا لیا جائیگا۔ مگر میرا روئے سخن ان نونہالان ملک سے نہیں ہے جو ان مدارس میں تعلیم پا رہے ہیں یا آیندہ زیور علم سے آراستہ ہونگے۔ میری تعلیمی تجویزان بہنوں سے متعلق ہے جن کو بدقسمتی سے وہ مواقع حاصل نہ ہو سکے جو اب موجود ہیں اور جو اپنی زندگی کے کاروبار سے اتنی فرصت نہیں نکال سکتیں کہ باقاعدہ مدارس میں تعلیم حاصل کر سکیں۔ یہ تحریک تعلیم بالغان طبقہ اناث سے متعلق ہے اس مقصد کے حصول کے دو ذریعہ ہیں۔ ایک مدارس شبینیہ اور دوسرے تعلیم بذریعہ لاسلکی۔ قبل اس کے کہ ان ذرائع تعلیم پر بحث کی جائے یہ مناسب ہوگا کہ تعلیم بالغان کی وسعت پر ایک نظر ڈالی جائے۔ گھر کے اندر اور باہر اس امر کی ضرورت ہے کہ ہر بہن اپنے اطراف و اکناف سے باخبر رہے۔ زمانے کی رفتار اس قدر تیز ہو گئی ہے اور ذرائع رسل و رسائل کا یہ عالم ہے کہ دنیا کی وسعت ہمیں بہت محدود نظر آتی ہے۔ لہذا ضرورت اس کی ہے کہ ہر ایسی بہن نہ فقط اس قابل بنائی جائے کہ معمولی نوشت خواند کے ذریعہ اپنے گھریلو فرائض کو بہتر

طریقے سے انجام دے سکے۔ بلکہ وہ اس دنیا کی تیز رفتاری سے چکاچوند نہ ہو اور ہر عجیب ایجاد کو بجائے جادو پر محمول کرنے کے اس کے اصول کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا کر سکے۔

مدارس شبینہ اناث کا محلہ واری قیام زیادہ مناسب ہے۔ یہ تقریبًا ناممکن ہے کہ ایسے رفاہی کاموں میں حکومت یا بلدیہ کے سر جملہ بار ڈالا جائے میرا خیال ہے کہ بغیر اپنی آپ مدد کئے کامیابی کی امید کرنا عبث ہے۔ ان مدارس کے قیام میں اور ان کے بقا کے لئے تعلیم یافتہ خواتین کے ایثار کی بہت ضرورت ہوگی۔ ان کی شام کی فرصت سے ایک دو گھنٹے کا مطالبہ وہ بھی ہفتہ میں دو تین روز یقینی بہت زیادہ نہ ہوگا۔ نصاب تعلیم میں معمولی نوشت و خواند ابتدائی تاریخ و جغرافیہ اور حساب اصول صحت اور عام معلومات کے مضامین شامل کئے جائیں تو مناسب ہے، ان مدارس کے ضروری اخراجات مثلًا سواری و کرایہ مکان وغیرہ کی سبیل بلدیہ کو کرنا چاہئے۔

لاسلکی کے ذریعہ طریقۂ تعلیم کی مقبولیت بہت عام ہو چکی ہے۔ انگلستان میں باضابطہ طور پر مدارس میں اس کا رواج دیا گیا ہے۔ ہر ایک مضمون کے لئے ایک کمیٹی قایم کی جاتی ہے جس کے ارکان مقررہ اوقات پر اپنے مضامین میں تقریر کرتے ہیں۔ ان تقریروں کو سمجھنے کے لئے محکمہ لاسلکی نے با تصویر کتابیں مرتب کی ہیں جن کے ذریعہ سننے والے نہایت آسانی سے ان مضامین کو سمجھ سکتے ہیں۔ یہ تقاریر فقط علمی مضامین تک محدود نہیں ہوتیں بلکہ غیر زبانیں بھی ان کتابوں کے ذریعہ لاسلکی پر سکھائی جاتی ہیں۔ ہمارے ہاں اس طریقہ تعلیم کے رواج میں حکومت بلدیہ اور اعلی التعلیم یافتہ لوگوں کے اشتراک

عمل کی ضرورت ہوگی۔ اور اپنے ملک کے حالات و ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ طریقہ تعلیم نہ فقط اناث کے لئے بلکہ ذکور کے لئے بھی قابل عمل ہو سکتا ہے

یہ ہیں وہ ذرائع جو میرے خیال میں تعلیم بالغان کی تکمیل میں مدد دے سکتے ہیں۔ اور جن کی وجہ سے ہماری وہ بہنیں جو موجودہ تعلیم سے فیضیاب نہیں ہو سکی ہیں۔ بہت جلد اپنی ضروریات اور عام معلومات کی مدد سے وسعت نظر پیدا کر سکتی ہیں۔

ان تعمیری تجاویز پر گفتگو کرنے کے بعد مجھے ایک خاص معاشرتی مسئلے پر کچھ کہنا ہے۔ آج کل انسداد گداگری کا مسئلہ جاذب توجہ بنا ہوا ہے۔ پلیٹ فارم پر اخبار اور رسالوں میں اس پر کافی بحث کی گئی ہے مگر ابھی تک یہ بدنما داغ ہماری سوسائٹی کی پیشانی سے نہیں مٹایا گیا۔ اس شہر کی کوئی شاہراہ کوئی کوچہ ایسا نہیں ہے جہاں گداگری کی موجودگی شہریوں کے لئے باعث پریشانی نہ ہو۔ اس گروہ کی نوے فیصدی تعداد نہایت متعدی اور خطرناک امراض میں مبتلا رہتی ہے۔ مگر ہماری بے حسی کی انتہا ہے کہ ہم ان مجبور اور معذور انسانوں کا کوئی معقول انتظام نہیں کر سکتے۔ حقیقتاً یہ سوسائٹی کے لئے ایک نہایت مہیب خطرہ بنے ہوئے ہیں جس سے ہر شخص واقف ہے۔ مگر بجائے اس کے کہ ان کی پرورش کا کوئی ذریعہ نکالا جائے ہم نہایت بیدردی سے ان کو بھیک دیکر ایک شرمناک زندگی بسر کرنے کی ترغیب دلاتے ہیں کیا یہ انسانی ہمدردی کا صحیح مصرف ہے۔

مجھے سخت تاسف ہوتا ہے جب میں تنومند مردوں اور عورتوں اور خصوصیت سے بچوں کو اس زمرے میں نہایت تشدد کے ساتھ بھیک مانگتے ہوئے دیکھتی ہوں۔ ان کو اس زندگی کا ایسا چسکا پڑ گیا ہے کہ

جائز کمائی کی کوئی صورت ان کو اس راستے سے نہیں ہٹا سکتی۔ ایک دفعہ ایک کمسن لڑکے نے مجھے بھیک کے لئے پریشان کیا مگر جب میں نے اسے ملازمت دلانے کا وعدہ کیا اوس نے نہایت تعجب سے میری طرف دیکھا اور اپنی راہ لی۔ الغرض گداگری ہر شخص کی زبان پر ہے اور ہر شخص ان گداگروں سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہے۔ خصوصیت سے عورتیں اس لئے کہ مرد تو کسی نہ کسی طرح جھڑک کر خفا ہو کر ان کو نزدیک نہیں آنے دیتے مگر پردے میں بیٹھنے والیوں کے لئے ان سے پیچھا چھڑانا عذاب ہو جاتا ہے۔ اگر کبھی کسی کو کچھ دیدیا تو گویا بھڑوں کے چھتے کو ہاتھ لگایا۔ وہ ہیں ہیں شروع ہوتی ہے کہ کاروبار کو بغیر ختم کئے ہوئے وہاں سے ہٹ جانا غنیمت معلوم ہوتا ہے۔

میری بہنوں کو یہ معلوم کر کے خوشی ہوگی کہ ہماری بلدیہ نے اس مسئلے پر نہایت سنجیدگی سے غور کرنے کے بعد ایک عملی تجویز سرکار میں پیش کر دی ہے۔ اور وہ وقت دور نہیں جب عملی طور پر ہمارا شہر ان گداگروں سے پاک ہو جائے گا کم از کم میں کسی طرح بھی بلدیہ کی کوششوں سے ناامید نہیں ہوں۔ اس لئے کہ ہماری حکومت کی مشفقانہ سرپرستی میں نہایت قلیل مدت کے اندر بلدیہ نے نہ فقط شہری ضرورتوں کو محسوس کیا بلکہ خلاف توقع بہت سی ضرورتوں کو اپنی آمدنی سے پورا کیا اور بڑی اسکیموں کے متعلق حکومت کی مدد اور ہمدردی حاصل کی ہے۔ اگر چالیس لاکھ کی اسکیم پائے تکمیل کو پہنچ جائے تو یہ یقینی آئندہ اس سے بڑی اسکیموں کی پیش خیمہ ہوگی اور ہمارا حیدرآباد اپنے حسن اور اور سجاوٹ میں اپنا نظیر نہ رکھے گا۔

حیدرآباد کی علمی معاشرتی سیاسی اور اخلاقی ترقی ایک ایسی محرک قوت

کے مرہون منت ہے جس نے اس ملک کو جمود سے ہٹا کر صحیح حرکت میں تبدیل کیا۔ یہ وہ قوت ہے جس کے مبارک ہاتوں میں خدا نے آج سے انیس سال پہلے حیدرآباد کی قسمت کو سپرد کیا تھا۔ آج دنیا جانتی ہے اور آنے والا زمانہ بھی دیکھیگا کہ کس طرح خاندان آصفی کا چشم و چراغ اپنے راحت و آرام کو اپنے ملک کے لئے قربان کرتا ہے۔ اور کس طرح اپنے عزیز وقت کا ہر لمحہ اپنی رعایا کی فلاح و بہبود میں صرف کرتا ہے۔

میں آپ لوگوں سے خواہش کرتی ہوں کہ آپ سب کھڑے ہوکر بارگاہ رب العزت میں میرے ساتھ اس محبوب اور مشفق مالک مجازی کے لئے دعا میں شریک ہوں جس نے ہم عورتوں کو جہالت کے قعر ذلت سے باہر نکالا۔

خداوندا تو ہمارے بادشاہ نواب میر عثمان علیخان بہادر کے عمر و اقبال میں روزافزوں ترقی دے ان کی دلی مرادیں کو برلا۔ ان کے دشمنوں کو ذلیل و خوار کر اور شہزادگان بلند اقبال و شہزادیان فرخ فال کو ان کے مبارک سایہ میں خوش و خرم رکھ۔ آمین۔